جناب پروفیسر محمد دین قاسمی گورنمنٹ ڈگری کالج سمن آباد فیصل آباد

سرگزشت آدم کے تین پہلو — قرآن مجید کی روشنی میں

(i) قرآن اور شخصیت آدم (ii) قرآن اور خلافت آدم (iii) قرآن اور نبوت آدم۔

> منکرین حدیث اور منکرین ختم نبوت نے دجل و فریب کے ذریعے جس طرح امتِ مسلمہ کو گمراہ کرنے کی مذموم کوشش کی ہے وہ اہل علم سے پوشیدہ نہیں۔ ان کے چند ایک نمونے ملاحظہ فرمائیں، فاضل مقالہ نگار نے ان کا خوب علمی محاسبہ کیا ہے۔ (ادارہ)

(i) قرآن اور شخصیت آدم

مولوی محمد علی صاحب (جو مرزا غلام احمد قادیانی کے پیروکار تھے۔) اپنی انگریزی تفسیر میں رقم طراز ہیں۔

Adam is generally taken to be the proper name for the first man, but neither here nor anywhere else in the Holy Quran is it affirmed that there was no creation before him. On the other hand, great Muslim theologians have held that there were many Adams - thousands of Adams - before the great ancestor of mankind, known by this name. (THE HOLY QURAN - ARABIC TEXT, ENGLISH TRANSLATION & COMMENTARY BY MAULANA MUHAMMAD ALI - PAGE 18).

غلام احمد پرویز صاحب لکھتے ہیں ۔

"ہمارے ہاں (محرف) تورات کے زیر اثر ، عام مشہور یہی ہے کہ قرآن کریم میں بیان کردہ قصۂ آدم ایک جوڑے (آدم وحوا) کی داستان ہے لیکن یہ صحیح نہیں ہے ۔ یہ کسی فرد یا ایک جوڑے کی داستان نہیں بلکہ یہ خود "آدمی" کی سرگزشت ہے جسے قرآن نے تمثیلی انداز میں بیان کیا ۔ اس داستان کا آغاز انسان کی اس حالت سے ہوتا ہے جب اس نے قدیم انفرادی زندگی کی جگہ پہلے پہل تمدنی زندگی شروع کی یعنی قدیم قبائل کی شکل میں ۔ قرآن کریم کی متعدد آیات ایسی ہیں جن سے واضح ہوتا ہے کہ آدم سے مراد انسان یا بشر ہے اور قصۂ آدم ، کسی ایک جوڑے کی داستان نہیں بلکہ یہ خود انسان کی سرگزشت ہے جسے قرآن نے بڑے لطیف اور دلکش محاکاتی (ڈرامائی) انداز میں بیان کیا ہے ۔"

(تفسیر مطالب الفرقان ج ۲ صہ ۶۱-۶۲)

مولوی محمد علی لاہوری اور جناب پرویز صاحب کے اقتباسات کا مفہوم مشترک یہ ہے کہ :

۱ ۔ آدم نوع انسانی کے اس اوّلین فرد کا نام ہے جسے اللہ تعالےٰ نے براہ راست تخلیق (DIRECT CREATION) کے عمل سے پیدا فرمایا ہے بلکہ وہ سلسلۂ نوع انسانی کے اجراء کے بعد کے کوئی فرد ہیں ۔

۲ ۔ آدم سے مراد کوئی فرد مخصوص نہیں بلکہ مطلق انسان یا بشر ہے ۔

جہاں تک دوسرے جزو مفہوم کا تعلق ہے وہ ایک جزوی اور ادھوری صداقت پر مشتمل ہے ۔ سوال یہ ہے کہ ہر انسان یا بشر کو آدم کیوں کہا جاتا ہے ؟ اس سوال کا جواب پرویز صاحب اور محمد علی لاہوری صاحب میں سے کسی نے نہیں دیا ہے بلکہ پرویز صاحب تو محض سرسری طور پر ماضی شکیہ کے صیغے میں یہ کہہ کر آگے گزر گئے ہیں کہ

"ہوسکتا ہے کہ آدم کسی قبیلہ کے کسی ممتاز فرد کا نام ہو ۔"

(تفسیر مطالب الفرقان ج ۲ صہ ۶۴)

ہمارے لیئے یہ بات بصد حیرت واستعجاب ہے کہ نسل انسانی میں بہت کسی بعد کے قبیلے کے نمایاں فرد کو " آدم " کے نام سے موسوم کرنے میں انقباض محسوس کیا جاتا ہے جس سے تمام نوع بشر کا سلسلہ وجود میں آیا۔ اور جس کی اولاد میں بہر حال اُس مجہول الحال بلکہ تاریخی طور پر اس معدوم الذکر قبیلے کا "ممتاز فرد" بھی شامل ہے جسے "آدم" کا نام لوگوں نے دے رکھا ہے۔

سیدھی سی بات ہے کہ جس طرح اموی قبیلے کے ہر فرد کا سلسلۂ نسب، امیہ نامی شخص تک منتہی ہوتا ہے۔ اور امیہ کی ذات سے قبل کسی "اموی" کا وجود تک نہیں پایا جا سکتا۔ بلکہ اسی طرح ہر "آدمی" کا شجرۂ نسب آدم تک پہنچتا ہے۔ آدم کے وجود سے قبل کسی "آدمی" کا وجود امر محال ہے۔ جس طرح "امیہ" نامی شخص تمام امویوں کا مورث اعلیٰ ہے جو خود کسی "اموی" کی نسل میں سے نہیں ہے بلکہ ہر "اموی" انہی کی نسل میں سے ہے۔ بالکل اسی طرح "آدم" نامی قرآنی شخصیت تمام آدمیوں کی مورثِ اعلیٰ ہے جو خود کسی آدم (یا آدمی) کی نسل میں سے نہیں ہیں بلکہ ہر آدمی خود اس کی نسل میں سے ہے۔

رہا مولوی محمد علی لاہوری صاحب کا یہ فرمان کہ

"قرآن نہ یہاں اور نہ کسی اور مقام پر اس امر کی تصدیق کرتا ہے کہ آدم نوع انسانی کے اولین فرد تھے اور ان سے پہلے کوئی مخلوق نہ تھی۔"

(ترجمہ از انگریزی تفسیر صد ۱۸)

تو یہ بات خود قرآن حکیم کی روشنی میں غلط ہے۔ موصوف محترم نے یہاں دیدہ دانستہ یا غیر شعوری طور پر یہ مغالطہ بھی دیا ہے کہ قرآن اس بات کی تصدیق نہیں کرتا کہ آدم سے پہلے کوئی مخلوق نہ تھی۔ حالانکہ قرآن بالفاظ صریح بیان کرتا ہے کہ تخلیق بشر سے قبل تخلیق جن واقع ہو چکی تھی۔ اس مخلوق کا مادۂ تخلیق آگ تھا۔ (۱۵/۲۷) دراصل یہاں جو بات زیر بحث ہے وہ یہ نہیں ہے کہ نوع بشر سے قبل کوئی اور مخلوق وجود پذیر ہوئی تھی یا نہیں؟ بلکہ یہ ہے کہ "آدم" نام کے جس فرد انسانی کا قرآن ذکر کرتا ہے وہ مخصوص طور پر اولین فرد بشر تھا یا سلسلۂ بشر کے چل نکلنے کے دوران (بہ بعد میں) کسی شخص کا یہ نام تھا اور یہ موصوف صراحتاً "خلط مبحث" کا شکار ہو رہے ہیں اور دوسروں

کو اس کا شکار کر رہے ہیں ۔

اگر کوئی شخص "ڈارویني نظریۂ ارتقاء" پر پیشگی ایمان نہیں لایا اور قرآن کا مطالعہ ہر خارجی فکر سے آزاد ہو کر محض تحقیق حق اور طلب ہدایت کی نیت سے کرتا ہے تو وہ اسی نتیجے پر پہنچے گا کہ "آدم" اس اوّلین فرد بشر کا نام ہے جو تمام انسانوں کا جدِ اعلیٰ ہے ۔ کوئی انسان اس کی پیدائش سے قبل پیدا نہیں ہوا ۔ وہ خود تمام انسانوں کا باپ ہے اور خود اس کا کوئی انسان بھی باپ نہیں ہے ۔ اللہ تعالیٰ نے اسے براہ راست تخلیق (DIRECT CREATION) کے عمل سے پیدا فرمایا تھا ۔ اس کا اسم علم "آدم" تھا مگر اس کی ذریت کے لیے یہ نام (بطور اسم علم کے نہیں بلکہ) اس کی طرف نسبت کی بنا پر آدمی ہونے کے باعث مستعمل ہوا)

آدم بحیثیت اوّلین فرد بشر

قرآن پاک نے تخلیق آدم کا جہاں ذکر کیا ہے اس انداز سے کیا ہے کہ وہ اوّلین فرد بشر تھے ۔ سورۃ الحجر میں ہے

ولقد خلقنا الانسان من صلصالٍ من حمأٍ مسنون والجان خلقناه من قبل من نار السموم (۲۷-۲۸)

اور یقیناً ہم نے انسان کو سڑی ہوئی مٹی کے سوکھے گارے سے بنایا ہے اور اس سے پہلے ہم جنوں کو آگ کی لپٹ سے پہلے پیدا کر چکے تھے ۔

یہ آیت اس امر پر نص قطعی ہے کہ "الانسان" سے قبل کسی فرد بشر کا وجود تک نہ تھا ۔ اس سے قبل صرف جن آگ کی لپٹ سے پیدا ہو چکے تھے ۔ یہی وہ "الانسان" ہے جسے قرآن دیگر مقامات پر "آدم" کے نام سے موسوم کرتا ہے اور اس سے جو نسل چلی اسے بھی آدمی ہونے کے ناطے سے "آدم" کہا جانے لگا ۔

سورہ سجدہ میں قرآن کے یہ الفاظ قابل غور ہیں

بدءَ خلق الانسان من طين ثم جعل نسله من سلالةٍ من ماءٍ مهين ۔

اللہ نے انسان کی تخلیق مٹی سے شروع کی پھر اس کی نسل ایک ست سے چلائی جو حقیر پانی کی صورت رکھتا ہے ۔

یہاں قرآن صاف طور پر یہ بیان کرتا ہے کہ انسان کی ابتدا۔ اور تخلیق براہِ راست مٹی سے کی گئی تھی لیکن پھر اس کی نسل کا سلسلہ تناسل سے جاری کیا گیا۔ قرآن کی اس سادہ سی حقیقت میں ــــ مٹی سے آغاز تخلیق کے مرحلے اور پورے وجود انسانی کی تکمیل کے مرحلے کے درمیان ــــ خواہ مخواہ ڈارونینی تفصیلات کو لا کر رکھ دینا اور پھر یہ نتیجہ نکالنا کہ انسانی وجود کا ارتقاء غیر انسانی یا نیم انسانی حالتوں میں سے گزر کر ہوا ہے۔ قرآنی حقائق کو ڈارونیت کی بھینٹ چڑھا دینے کے مترادف ہے۔

پرویز صاحب اور مولوی محمد علی لاہوری کو اس بات پر اصرار ہے کہ قرآن میں جس آدم کا ذکر ہے وہ اوّلین انسان نہیں تھا بلکہ [illegible] بشر کے وجود پذیر ہو جانے کے بعد کسی قبیلے کا ممتاز فرد تھا۔

ابطالِ شخصیتِ آدم کے لئے پرویزی دلائل

اس سلسلے میں پرویز صاحب نے جو دلیل پیش کی ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ قرآن نے سجدۂ آدم کا ذکر کرتے ہوئے جب بھی ابلیس کی طرف سے انسانوں کو گمراہ کرنے کی انتقامی کاروائی کو بیان کیا ہے تو وہاں جمع کے صیغے استعمال کئے ہیں مثلاً

لأُزَيِّنَنَّ لهم في الارض ولأُغوينهم اجمعين (۱۵/۳۹)

لاقعدن لهم (۷/۱۶)

لآتينهم من بين ايديهم ومن خلفهم (۷/۱۷)

چنانچہ وہ استشہاد کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ

"یہاں 'ھُمْ' جمع کی ضمیر ہے جس کے معنی تمام انسان ہیں اور پھر لفظ 'اجمعین' نے اس کی مزید وضاحت کردی ہے کہ یہ ایک فرد (آدم) یا ایک جوڑے (آدم اور حوا) کا قصہ نہیں، تمام نوع انسانی کی داستان ہے۔"

(تفسیر مطالب الفرقان ج ۲ ص ۶۲)

پرویز صاحب نے اس دلیل میں خلط مبحث سے کام لیا ہے۔ "ھم" کی ضمیر تو بلاشبہ جمع کی ضمیر ہے مگر اس سے یہ کیسے لازم ہوگیا کہ آدم اوّل البشر نہیں تھے۔ جمع کی ضمیر

سے بیش از بیش جو کچھ ثابت ہوتا ہے وہ صرف یہ ہے کہ شیطان نے آدم کے علاوہ بہت سے دیگر انسانوں کو بھی راہ راست سے منحرف کرنے کا اعلان کیا۔ یہ "دیگر انسان" پیدائش آدم سے پہلے موجود تھے؟ یا آدم کی پیدائش کے بعد اس کی نسل میں پیدا ہوئے؟ اس سوال کا قطعی جواب ھُم یا اجمعین کی جمع کی ضمیر فراہم نہیں کرتی حالانکہ اصل زیر بحث مسئلہ ہی یہ ہے کہ ھم کی ضمیر سے مراد جو لوگ ہیں وہ پیدائش آدم سے پہلے موجود نہیں تھے بلکہ اس کے بعد معرض وجود میں آتے ہیں؟ اب غور فرمائیے کہ مفکر قرآن صاحب اصل مسئلے سے جان چھڑا کر "ھم" کی ضمیر سے کس طرح کھیل رہے ہیں۔

اب سوال یہ ہے کہ آخر "ھم" کی ضمیر جن لوگوں کی طرف راجع ہے وہ آدم سے قبل کی پیدائش ہیں یا آدم کے بعد پیدا ہوئے ہیں؟ ہمارا قطعی جواب یہ ہے کہ آدم اوّل البشر تھے، ان سے پہلے کوئی فرد بشر موجود نہ تھا لہٰذا یہ ضمیر ان لوگوں کی طرف لوٹتی ہے جو آدم کے بعد اس دنیا میں آئے۔ اس کی قرآنی دلیل یہ ہے کہ قرآن نے خود شیطان کی زبان سے ادا ہونے والے یہ الفاظ نقل کر دیئے ہیں جو "ھم" کی ضمیر کا اصل مرجع ہیں۔

لئن اخرتن الیٰ یوم القیامۃ لاحتنکن ذریتہ ....

اگر (اے اللہ) تو نے مجھے قیامت تک کے لئے مہلت دی تو میں اس (آدم) کی ذریت (اولاد) کو ضرور اپنے قابو میں رکھوں گا (۱۷/۶۲)

اس آیت سے دو باتیں بالکل واضح ہیں۔

اوّلاً یہ کہ ابلیس نے لاغوینھم اجمعین (۱۵/۳۹) لاقعدن لھم (۷/۱۶) — لاٰتینھم (۷/۱۷) میں جہاں بھی جمع کی ضمیر "ھم" استعمال کی ہے تو اس سے اس کی مراد، آدم کی ذریت (ذریتہ) ہے۔ اور لفظ ذریت کے واحد یا جمع کے مفہوم میں استعمال ہونے کے متعلق خود پرویز صاحب کی تحقیق یہ ہے کہ

"یہ لفظ تو جمع ہی کے لئے، لیکن پھر واحد اور جمع سب کے لئے یکساں آتا ہے"

(لغات القرآن صـ ۶۶۶)

لہٰذا قرآن کریم میں قصۂ آدم میں جمع کے صیغہ میں مذکور ضمیروں سے یہ نتیجہ نکالنا کہ یہ

نوع انسانی کے اوّلین جوڑے کی سرگزشت نہیں ہے، گمان باطل ہے۔

ثانیاً یہ کہ قرآن میں ذریتہ (آدم کی اولاد) کے الفاظ اس امر کو ہر شک سے بالاتر کر دیتے ہیں کہ آدم خود کسی کی ذریت میں شامل نہیں تھا بلکہ تمام افراد انسانی اس کی ذریت میں شامل ہیں لہذا آدم اوّل البشر شخصیت تھے۔

پرویز صاحب کی دوسری دلیل اور اس کا جواب

پرویز صاحب نے اپنے مؤقف کی تائید میں ایک دلیل یہ پیش کی ہے کہ قرآن پاک میں سورہ اعراف میں ارشاد باری تعالےٰ ہے کہ

و لقد خلقناکم ثم صورناکم ثم قلنا للملائکۃ اسجدوا لآدم

بے شک ہم نے تمہیں پیدا کیا، تمہاری صورت گری کی۔ اور پھر فرشتوں کو کہا کہ آدم کو سجدہ کرو (۱۱/۷)

موصوف محترم کی بنائے استدلال یہ ہے کہ آدم کے ذکر سے قبل بنی نوع انسان (جن کے جمع کی ضمیر کم استعمال ہوئی ہے) کی تخلیق کا ذکر ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ آدم نوع انسانی کا اوّلین فرد نہیں تھا۔

اس سلسلہ میں پہلی گزارش تو یہ ہے کہ پرویز صاحب کا سارا انحصار لفظ ثم پر ہے گویا ان کے نزدیک ترتیب مضمون یوں ہے کہ "سب سے پہلے اے انسانو ہم نے تمہیں پیدا کیا پھر (ثم) تمہاری شکلیں بنائیں اور پھر (ثم) ہم نے فرشتوں کو حکم دیا کہ آدم کو سجدہ کرو" یہ ضروری نہیں ہے کہ قرآن جس ترتیب سے یہ تینوں باتیں بیان کی ہیں اسی ترتیب سے ان کا وقوع بھی ہوا ہے۔ کیونکہ "ثم" کا حرف ترتیب وقوع کو مستلزم نہیں ہے۔ خود پرویز صاحب ارشاد فرماتے ہیں کہ

"ثم حرف ہے اور عام طور پر اس مقام پر آتا ہے جہاں کوئی ترتیب بیان کرنا مقصود ہو جیسے ہم کہتے ہیں کہ پہلے اس نے کھانا کھایا پھر پانی پیا لیکن ضروری نہیں کہ یہ ہر جگہ ترتیب (پھر) کے معنوں میں ہی استعمال ہو۔ یہ (اور) کے معنوں میں بھی استعمال ہوتا ہے"

(تفسیر مطالب الفرقان ج ۱ صـ ۳۵۳)

اور یہاں بھی حقیقت کہ ثم ترتیب وقوع کے لئے نہیں ہے۔ بلکہ "اور" ہی کے معنوں

میں مستعمل ہے۔ رہا یہ امر کہ پھر سجود آدم سے قبل خلقناکم اور صوّرناکم میں جمع کے صیغہ میں مذکور ضمیر مفعولی سے کیا مراد ہے۔ تو اس ضمن میں گزارش یہ ہے کہ آیت زیر بحث میں اور اس سے پہلی آیت میں اللہ تعالےٰ نے بنی نوع انسان پر کی جانے والی نعمتوں کا ذکر کیا ہے۔ اس سے پہلی آیت میں فرمایا کہ "ہم نے تمہیں زمین میں ٹھکانا بخشا اور اس میں تمہاری روزی کا سر و سامان رکھ دیا مگر (کثیر نعمتیں پاکر) تم شکر کی روش میں قصیر ہو" ۸/۱ اس میں مادی نعمتوں کا ذکر تھا۔ اس سے اگلی (زیر بحث) آیت میں معنوی نعمت کا ذکر ہے جس میں انسان کے مسجود ملائکہ ہونے کے اعزاز کو بیان کیا گیا ہے۔ اگرچہ یہ اعزاز نوع انساں کے اوّلین مورث اعلیٰ کو ملا تھا مگر اس عام قاعدے کے مطابق کہ باپ پر ہونے والی نعمت اولاد پر بھی اور اسلاف پر کئے جانے والے احسانات' اخلاف پر بھی متصور ہوتے ہیں۔ اس اعزاز کو تمام اولاد آدم کی طرف منسوب کیا گیا ہے۔ اس کی بہت سی مثالیں قرآن مجید میں بھی موجود ہیں مثلاً قرآن اپنے دور نزول میں وجود یہود کو خطاب کرکے کہتا ہے کہ —— جب ہم نے تمہیں آل فرعون سے نجات دی واذ انجیناکم من ال فرعون (۲/۴۹) —— جب ہم نے تم سے پختہ وعدہ لیا اور طور کو تم پر بلند کیا واذ اخذنا میثاقکم ورفعنا فوقکم الطور (۲/۶۳) جب تم نے ایک شخص کو قتل کر ڈالا تھا واذ قتلتم نفساً (۲/۷۲) —— جب تم نے موسیٰ سے کہا ہم تمہاری بات نہیں مانیں گے یہاں تک کہ .... واذ قلتم یاموسیٰ لن نومن لک حتیٰ (۲/۵۵) وغیرہ۔ ایسی تمام آیات میں "کم" سے مراد حقیقتاً وہ یہود نہیں ہیں جو دور رسالت مآب میں زندہ موجود تھے بلکہ ان کے وہ اسلاف مراد ہیں جن کے یہ لوگ اخلاف تھے۔ پس جسطرح وانجیناکم میں انجینا اسلافکم —— اور —— واذ اخذنا میثاقکم ورفعنا فوقکم الطور میں میثاقکم اسلافکم اور .... فوق اسلافکم الطور —— اور —— واذ قتلتم میں واذ قتل اسلافکم یا قتل اٰباءکم مراد ہے، بالکل اسی طرح ولقد خلقناکم ثم صوّرناکم میں ولقد خلقناکم ثم صوّرناکم میں ولقد خلقنا اباکم (آدم) وصورنا آباکم (آدم) مراد ہے چونکہ آدم تمام انسانوں کی اصل تھے پوری نوع بشر کے باپ تھے جملہ نسل انسانی کے مورث اعلیٰ تھے' اس لئے ان کی تخلیق اور تصویر کو تمام انسانوں کی طرف اسی طرح منسوب

کیا گیا ہے جس طرح یہود کے اسلاف کے اعمال کو براہ راست ان اخلاف کی طرف نسبت دی گئی ہے جو دورِ نبویؐ میں زندہ موجود تھے۔ اس سے وہ نتیجہ نکالنا جو جناب پرویز صاحب نے نکالا ہے۔ ڈارونزم (DAWINISM) سے انتہائی مرعوبیت اور ذہنی مغلوبیت کا منہ بولتا کرشمہ ہے۔

ایک اور جواب

پھر یہ بات بھی قابل توجہ ہے کہ اگر اذ قلنا للملائکۃ اسجدوا لآدم (ہم نے فرشتوں سے کہا کہ آدم سے سجدہ کریں) کے الفاظ سے "تخلیق آدم سے قبل نوع بشر کی موجودگی پر استدلال کیا جا سکتا ہے تو پھر اس سے قبل والی آیت سے استدلال کرتے ہوئے یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ بنی نوع انسان کی تصویر (صورناکم) ہی سے نہیں بلکہ ان کی تخلیق سے بھی قبل (خلقناکم) انہیں زمین میں ٹھکانہ بخش دیا گیا تھا (ولقد مکنّا کم فی الارض) اور یہ بات بداہتاً باطل اور محال ہے کہ لوگوں کی پیدائش سے پہلے ہی انہیں زمین میں متمکن کر دیا گیا ہو۔

ہمارا جدید طبقہ جس کی سربراہی کا فریضہ بحینِ حیات جناب پرویز صاحب انجام دیتے رہے ہیں۔ ڈارونزم کا بری طرح شکار ہے۔ ان کی فکری مرعوبیت ذہنی غلامی اور دماغی مغلوبیت کا یہ حال ہے کہ خود ڈارون نے تو اپنے موقف کو محض نظریے (THEORY) کے طور پر پیش کیا ہے۔ جبکہ ان غلام فطرت لوگوں نے اسے ایک ثابت شدہ سائنسی حقیقت (PROVEN FACT/ LAWOF SCIENCE) سمجھ کر اختیار کر لیا ہے۔ اب قرآن کو چھیل چھال کر اس "حقیقت ثانیہ" کے مطابق ڈھالا جا رہا ہے تاکہ خدا کی کتاب پر "تاریک دور" کی کتاب ہونے کا الزام نہ آ سکے۔

حیوان اور انسان میں اساسی فرق و امتیازات

الغرض جو شخص بھی قرآن پاک کا مطالعہ خارجی افکار ونظریات سے بالاتر ہوتے ہوئے اس نیت سے کرے گا کہ وہ قرآن سے ہدایت کا طلب گار ہوگا نہ کہ کتاب اللہ کو ہدایت دے گا وہ اس نتیجہ پر پہنچے بغیر نہیں رہ سکتا کہ انسان کو اللہ نے براہ راست تخلیق کے عمل سے اپنے دست مبارک سے پیدا فرمایا ہے خلقت بیدی (ص ۷۵) حضرت آدم علیہ السلام، جو اصل الانسان اور اوّل البشر تھے، کسی مرحلے

اور کسی منزل میں بھی کسی غیرانسانی یا نیم انسانی حالت سے نہیں گزرے۔ یہ تو ممکن ہے کہ کسی وقت وہ اکیلے، تنہا اور ایسے واحد فرد ہوں جو بیوی سے مجرد ہو مگر یہ کہ وہ انسانی حالت سے بھی باہر ہو۔ قرآن سے قطعاً ثابت نہیں ہوتا آدم کے وجود سے اس کی بیوی کا وجود مشتق ہوا (جیسے اور جسطرح بھی ہوا) پھر آدم اور اس کی بیوی کی زندگی اوّل روز ہی سے مکمل انسانی حالت میں بسر ہوئی اور اسی حالت میں ان دونوں سے نسل انسانی کا سلسلہ چلا، انسان کی انسانی زندگی میں اور حیوان کی حیوانی زندگی میں جو اساسی فرق و امتیازات واقع ہیں وہ کسی سطح پر بھی نوع بشر کی انسانی زندگی سے مرتفع نہیں ہوئے حتیٰ کہ یہ امتیازات حیوان کی انتہائی ارتقاء یافتہ شکل میں اور انسان کی ادنیٰ ترین انسانی حالت میں بھی برقرار رہے ہیں۔ انسان خواہ کتنا ہی وحشی، پسماندہ اور غیر متمدن ہو ہر دور میں اس کے اندر حیاء کا وہ مادہ موجود رہا ہے جس کی بناء پر وہ اپنے اعضائے جنسی کو مستور رکھنے اور فعل مباشرت کو خلوت میں انجام دینے کا اہتمام کرتا رہا ہے جب کہ حیوانات کی کسی ترقی یافتہ قسم میں بھی ایسا جذبۂ حیا آج تک نہیں پایا گیا۔

۲ — کسی نصب العین کے تحت زندگی بسر کرنے کی حس (جسے آپ مذہبی حس بھی کہہ سکتے ہیں) ہمیشہ اور ہر جگہ وحشی سے وحشی انسانوں تک میں پائی گئی ہے جبکہ حیوانات میں ایسی کسی حس کا وجود تک نہیں ہے۔

۳ — پھر انسان خواہ کتنا ہی پسماندہ اور وحشت زدہ ہو، اس کے ارادی اور غیر ارادی افعال میں ہمیشہ فرق کیا گیا ہے اور اسی بناء پر اس کا اخلاقی نظام استوار رہا ہے مگر جانوروں میں افعال کی یہ تقسیم ناپید ہے اسی بناء پر ان کا اخلاقی نظام مفقود ہے۔

۴ — علاوہ ازیں انسان کی ادنیٰ ترین معاشرتی و تمدنی زندگی میں بھی اس کی وہ قوت ایجاد و اختراع اس میں موجود اور برقرار رہی ہے جو تمدنی ذرائع و وسائل میں عروج و ارتقاء کا سبب بنتی رہی ہے لیکن حیوانات کی کسی اعلیٰ ترین نوع میں بھی اس وقت کے آثار و علائم نظر نہیں آتے۔

۵ — اس کے علاوہ انسان اور حیوانات میں ایک نہایت واضح فرق یہ بھی ہے کہ اوّل الذکر خواہ کتنے ہی پسماندہ اور جہالت زدہ ودر میں سے گزرتا رہا ہو وہ اپنے مافی الضمیر کے اظہار کے لئے الفاظ اور اسلوب [illegible]

کرتا رہا ہے جس کو حیوانات کی صوت و پکار سے کوئی نسبت ہی نہیں ہے۔

ان تمام امور پر غور و تدبر کرنے سے یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ انسان اپنی تاریخ کے کسی دور میں بھی حیوانی یا غیر انسانی سطح پر نہیں رہا بلکہ دونوں کے درمیان کم از کم ان امور میں ہمیشہ امتیاز رہا ہے۔

ایک قابل غور بات

مقام غور و تدبر ہے کہ انسان کا سلسلہ حسب و نسب حیوانات سے جوڑنے والے لوگ بہرحال اس بات کے تو قائل ہیں ہی کہ حیوانات میں سے اوّلین حیوان تو خدا کے براہ راست عمل تخلیق (DIRECT CREATION) ہی کا نتیجہ ہے۔ قرآن جیسی الہامی کتاب کو انسانی عقل و دانش کی میزان میں تول کر پیش کرنے والے خود یہ سوچ لیں کہ نوع انسان کے اوّلین فرد کی پیدائش کو براہ راست تخلیق کا نتیجہ قرار دے کر اس سے تناسل کا سلسلہ جاری ماننا زیادہ قرین عقل و دانش ہے یا تمام انسانوں کو جانوروں کی نسل قرار دینا؟

۲ — قرآن مجید اور خلافت آدم

آدم کی تخلیق جس منصوبۂ ایزدی کے تحت ہوئی تھی وہ یہ تھی کہ اسے زمین میں خلیفہ بنایا جائے گا۔ مگر کس کا خلیفہ؟ جمہور علماء کا مؤقف یہ ہے کہ "خدا کا خلیفہ"۔ جناب غلام احمد پرویز کو اس سے اختلاف ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں کہ

قرآن مجید میں متعدد مقامات میں آدم (انسان) کے متعلق ہے۔ انی جاعل فی الارض خلیفۃ (۲/۳۰) اس کے معنی عام طور پر کئے جاتے ہیں خلیفۃ اللہ فی الارض۔ یعنی زمین پر خدا کا نائب یا قائم مقام۔ یہ معنی بوجوہ غلط ہیں۔ سب سے پہلے تو اس لئے کہ قرآن پاک میں آدم کو کہیں بھی خلیفۃ اللہ نہیں کہا گیا خلیفۃ فی الارض کہا گیا ہے۔ دوسرے اس لئے ..... کہ خلیفہ کے معنی ہیں کسی کے بعد یا کسی کی عدم موجودگی میں اس کی جگہ لینے والا (انگریزی میں اسے SUCCESSOR کہتے ہیں) خدا ہر وقت اور ہر جگہ موجود ہے اس لئے خدا کے بعد یا خدا کی عدم موجودگی

میں اس کی جانشینی کا تصور ہی باطل ہے۔ جو خود موجود ہو اس کا جانشین SUCCESSOR کیسا؟ (لغات القرآن ج ۲ ص ۶۱۲)

اس اقتباس میں پرویز صاحب نے آدم کو جن دلائل کی بنیاد پر "خدا کا خلیفہ" تسلیم نہیں کیا ان کا خلاصہ یہ ہے

۱۔ خود قرآن کریم میں کہیں بھی آدم کو "خلیفۃ اللہ" نہیں کہا گیا۔

۲۔ "اللہ کا خلیفہ" تو وہی شخص ہو سکتا ہے جو اللہ کے بعد یا اس کی عدم موجودگی میں اس کی جگہ لینے والا ہو۔ جب خدا خود ہر وقت ہر جگہ موجود ہے تو اس کا جانشین کیا؟

دلیل اوّل پر بحث

جہاں تک جناب پرویز صاحب کی پہلی دلیل کا تعلق ہے وہ یہ کہنے میں حق بجانب ہیں کہ قرآن میں آدم کے لئے خلیفۃ اللہ کے الفاظ موجود نہیں ہیں لیکن ان الفاظ کے نہ ہونے کے باوجود قرآن آدم کے بارے میں جو کچھ اور جس طرح بیان کرتا ہے اس سے اس کے "خلیفۃ اللہ" ہونے کا مفہوم ہی متبادر ہوتا ہے۔ سب سے پہلے تو اس بات کو ملاحظہ فرمائیے کہ آیت (۲/۹) میں بنی نوع انسان کے لئے مادی نعمتوں کا ذکر فرما کر آیت (۲/۳۰) میں اس معنوی نعمت کا ذکر فرمایا ہے جسے "خلافت" کہا جاتا ہے (اور جس سے بڑھ کر کوئی نعمت نہیں) اب اگر خلافت سے مراد محض ایک مخلوق کے بعد دوسری مخلوق کا جانشین بننا ہو یا ایک ہی نوع مخلوق کی کسی ایک نسل کے بعد دوسری نسل کا قائم مقام قرار پانا ہو تو اس میں کسی فضیلت اور کسی خوبی و کمال کا کوئی پہلو نہیں پایا جاتا۔ ظاہر ہے کہ جب ہر خلف اپنے سلف کا خلیفہ ہے تو ان تمام خلفاء اولین و آخرین میں کیا وجہ شرف و امتیاز رہ جاتی ہے؟ علاوہ ازیں قرآن پاک یہاں آدم کے لئے ایک ایسی خوبی و کمال (منصب خلافت) کا ذکر کرتا ہے جس پر ملائکہ کے منہ میں بھی پانی بھر آتا ہے۔ اور اس منزلت عظمیٰ کے لئے، ان کے قلوب کے دور نیر کونوں میں چھپی ہوئی خواہش، ان الفاظ کا جامہ پہن کر نمودار ہوتی ہے کہ نحن نسبح بحمدك و نقدس لك ــــ "ہم تیری پاکیزگی کے ساتھ تیری ثنا (اپنے حال و قال سے) بیان کرتے ہیں اور تیری تقدیس کا (قولاً و عملاً) دم بھرتے ہیں" ــــ اب جہاں تک مخلوق کی نیابت و خلافت کا تعلق ہے اس میں کوئی چیز وجہ شرف

نہیں ہے کیونکہ ہر قوم اپنے سے قبل والی قوم کی خلیفہ ہوتی ہی ہے۔ شرف و مجد اسی بات میں ہے کہ خدا آدم کو کسی مخلوق کی نہیں بلکہ خود اپنی خلافت کے منصب پر مامور کرے اور یہی وہ چیز ہے جو انی جاعل فی الارض خلیفة کے فیصلہ خداوندی میں مضمر ہے۔ پھر یوں تو اللہ نے کائنات کی ہر چیز بنائی اور خوب بنائی۔ فاحسن صورکم، فتبارك الله احسن الخالقين۔ لیکن کسی چیز کو خلعت وجود عطا کرتے وقت اس کا اس اہتمام سے فرشتوں کے سامنے اعلان نہیں کیا جو اس خلیفہ کی پیدائش پر ہمیں نظر آتا ہے۔

اب غور فرمائیے کہ

(i) آدم کے خلیفہ بنائے جانے کا اعلان خدا خود فرماتا ہے

(ii) قبل از انسان اگرچہ جنوں کی پیدائش کا ذکر قرآن میں موجود ہے مگر یہ کہیں بھی مذکور نہیں ہے کہ زمین میں انہیں تمکن و اقتدار بخشا گیا تھا اور اس کے بعد اب آدم کو (خدا کا نہیں بلکہ) جنات کا خلیفہ بنایا جا رہا ہے جیسا کہ پرویز صاحب کا دعویٰ ہے۔

تعجب تو یہ ہے کہ آدم کو خلیفہ بنانے والا خود خدا — اہتمام کے ساتھ فرشتوں کے روبرو اس کی خلافت کا اعلان کرنے والا خود خالق کائنات — جن کی خلافت (بقول پرویز صاحب) آدم کو سونپی جا رہی ہے اُن (جنات) کا ذکر مفقود و معدوم۔ پھر اگر خدائے قدوس انی جاعل فی الارض خلیفة کا اعلان کرتا ہے تو کیوں نہ اس سے خليفة الله فی الارض کا مفہوم مراد لیا جائے؟ اور کس دلیل کی بنیاد پر یہ سمجھا جائے کہ آدم اللہ کے خلیفہ نہیں ہیں بلکہ ان مجہول الذکر ساکنین ارض کے خلیفہ ہیں جن کے زمین میں اقتدار و فرمانروائی کے منصب پر قائم ہونے کی دلیل قرآن پاک میں سرے سے ہے ہی نہیں۔

پھر ایک اور بات بھی قابل غور ہے۔ جس چیز کو آیت (۲/۳۰) میں خلافت کے لفظ سے تعبیر کیا گیا ہے اسی چیز کو آیت ۳۳/۷۲ میں امانت کے لفظ سے تعبیر کیا گیا ہے۔ قرآن ہی یہ بتاتا ہے کہ اس بار امانت کو اٹھانے سے کائنات کی ہر چیز نے انکار کر دیا۔ (کائنات کے عظیم ترین اجزاء کا انکار پوری کائنات کے انکار

کو مستلزم ہے۔ ان اجزائے کائنات میں سے خاص طور پر) زمین و آسمان اور جبال نے اظہار معذوری کر دیا۔ فرشتوں کے دل میں منصب خلافت پر متمکن ہونے کی خواہش نے کروٹ لی مگر انہیں اللہ تعالےٰ نے انی اعلم مالا تعلمون کہہ کر خاموش کر دیا۔ صرف اتنا ہی نہیں بلکہ آدم کو ان کا مسجود قرار دے کر یہ واضح کر دیا کہ خلافت ارضی کے لئے فرشتوں کا وجود غیر مناسب ہے۔ رہے جن۔ تو اوّل تو ان کے متعلق قرآن یہ بیان ہی نہیں کرتا کہ وہ قبل از انسان خلیفہ تھے۔ اگر بالفرض انہیں خلیفہ مان بھی لیا جائے تو سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ وہ اصالتاً خلیفہ تھے ؟ یا نیابتاً ؟ پہلی بات تو بدیہی البطلان ہے کہ کوئی بھی کسی منصب کا اصالتاً حقدار نہیں ہے اور اگر وہ نیابتاً خلیفہ تھے ؟ تو لازماً ان کی خلافت بخشندۂ ایزدی تھی اور وہ خلیفۃ اللہ ہی تھے۔ اب جب ان کی جگہ یہ خلافت (جنوں سے) انسان کو منتقل ہوئی اور منتقل کرنے والا خود خالق کائنات ہے تو اس کا صاف نتیجہ یہ ہے کہ قبل از پیدائش آدم اگر جن خدا کے خلیفہ تھے تو اب خود انسان خلیفۂ ایزدی ہے۔

پھر جناب پرویز صاحب رقمطراز ہیں

> چونکہ جانشینی میں غلبہ و تسلط اور اختیار و اقتدار شامل ہوتا ہے اس لئے استخلاف فی الارض سے مراد ہے ملک کی حکومت کسی دوسری حاکم قوم کی جانشینی۔ (لغات القرآن ص۶۱۳)

اب اگر پرویز صاحب یہ فرماتے ہیں کہ

> "انسان دراصل ایک ایسی مخلوق کا جانشین ہے جو اس سے پہلے کرہ ارضی پر موجود تھی لیکن اب ناپید ہے"
>
> (مطالب الفرقان ج ۲ ص۶۵)

تو انہیں بحوالۂ قرآن یہ ثابت کرنا چاہیئے کہ قبل از انسان، زمین کی حاکمیت و خلافت جنوں کے پاس تھی اور یہ کس کے بس کی بات نہیں کہ قرآن سے یہ ثابت کر سکے کہ خلق آدم سے قبل زمین میں کوئی ایسی مخلوق تھی جو زمین کے اقتدار و اختیار اور حکومت و سلطنت کی مالک تھی۔

پرویز صاحب کا غلط مبحث | مسئلہ خلافت آدم پر بحث کرتے ہوئے جناب

پرویز صاحب دو قطعی مختلف امور میں خلط مبحث سے کام لیتے ہیں حالانکہ یہ دونوں امور متغائر ہیں۔
اولاً یہ کوئی فرد یا قوم کس کا خلیفہ ہے ؟
ثانیاً یہ کہ وہ فرد یا قوم کس کے بعد خلیفہ قرار پائے ہیں ؟
یہ دونوں قطعی مختلف اور تغائر امور ہیں مگر "مفکر قرآن" صاحب ان دونوں متباین امور میں شعوری یا لاشعوری طور پر ان کے باہم فرق و امتیاز کو بالائے طاق رکھتے ہوئے فرماتے ہیں کہ

سورۃ اعراف میں قوم عاد کے متعلق کہا گیا ہے
واذکروا اذ جعلکم خلفاء من بعد قوم نوح (۷/۶۹)
"تم اس حقیقت کو اپنے سامنے رکھو کہ خدا نے تمہیں قوم نوح کے بعد ان[1] کا جانشین بنایا"
حضرت نوح[2] نے اپنی قوم سے کہا کہ "اگر تم نے پیغامات خداوندی پر کان نہ دھرا تو یاد رکھو تو یستخلف ربی قوماً غیرکم (۱۱/۵۷) " خدا تمہاری جگہ کوئی اور قوم لے آئے گا" یعنی اسے تمہارا[2] جانشین بنا دے گا" سورہ اعراف میں ہے کہ جب حضرت موسیٰ کچھ دنوں کے لئے اپنی قوم سے الگ ہونے لگے تو انہوں نے اپنے بھائی سے کہا اخلفنی فی قومی (۷/۱۴۲) "میرے بعد تم میرے جانشین بنا" اسی صورت میں بنی اسرائیل کے متعلق کہا فخلف من بعدھم خلف (۷/۱۶۹) " ان کے بعد ان[3] کے جانشین ایسے لوگ ہوئے جنہوں نے ....."
(تفسیر مطالب الفرقان ج ۲ ص ۶۴-۶۵)

ان آیات میں جو کچھ کہا گیا ہے اس کا تعلق امر دوم سے ہے یعنی اس بات سے کہ قوم عاد قوم نوح کے بعد اور قوم ثمود، قوم عاد کے بعد منصب خلافت پر متمکن ہوئی۔ رہا امر اوّل کہ وہ کس کے خلیفہ قرار پائے ؟ تو اسکو پرویز صاحب نے امر دوم میں خلط ملط

---

[1]، [2]، [3] یہ الفاظ ترجمہ میں خودساختہ اضافہ ہیں۔ قرآنی متن میں ایسے کوئی الفاظ نہیں جن کا ترجمہ پرویز صاحب کے ان الفاظ پر مشتمل ہو۔

[illegible] ہے۔ [illegible] ان آیات میں مذکورہ اقوام کو اس ہستی کا خلیفہ قرار دیا جائے گا جس نے انہیں خلافت سونپی اور جس کا ذکر جعلکم کے فاعل کی حیثیت میں مذکور ہے۔

دلیل ثانی پر بحث

اب آئیے پرویز صاحب کی دلیل ثانی کی طرف جس کا خلاصہ یہ ہے کہ

> [illegible] وقت [illegible] بلکہ موجود ہے اس لئے خدا کے بعد یا خدا کی عدم موجودگی میں اس کی جانشینی کا تصور ہی باطل ہے جو خود موجود ہو اس کا جانشین کیسا؟
> (لغات القرآن ج ۲ ص ۶۱۲)

پرویز صاحب نے یہ لکھتے وقت گویا یہ طے کر رکھا تھا کہ "نیابت" کی صرف یہی واحد صورت ہے کہ منوب عنہ یا تو مر چکا ہو یا غیر حاضر ہو۔ اس کے علاوہ اس کی کوئی اور صورت ہے ہی نہیں۔ حالانکہ یہ بات ہی غلط ہے کسی کو "نائب" بنانے کی چار وجوہ ممکن ہیں

۱۔ منوب عنہ یا مستخلف (خلیفہ بنانے والا) کی موت کا واقع ہو جانا۔

۲۔ منوب عنہ یا مستخلف (خلیفہ بنانے والا) کا غیر حاضر ہو جانا۔

۳۔ منوب عنہ یا مستخلف (خلیفہ بنانے والا) کا اپنے فرائض عائد کرنے سے عاجز و قاصر ہو جانا۔

۴۔ نائب یا خلیفہ (مستخلف) کی عزت افزائی کرنے یا اس کے تشریف و تکریم کا اظہار کرنے کے لئے اسے اس منصب پر فائز کرنا۔

ظاہر ہے کہ خدا کے لئے پہلی تینوں صورتیں باطل ہیں۔ خدا نے آدم کو خلیفہ اس لئے نہیں بنایا کہ وہ (معاذ اللہ ثم معاذ اللہ) خطرۂ موت کا شکار ہے یا وہ کسی جگہ سے غیر حاضر ہو گیا ہے یا اس پر بڑھاپا، ضعف، بیماری یا کوئی اور کمزوری وارد ہو رہی ہے جس کے باعث اسے زمین میں اپنے خلیفہ کی حاجت لاحق ہو رہی ہے بلکہ وہ خلیفہ اس لئے بنا رہا ہے کہ شرف و عظمت کے مقام پر آدم کو متمکن کرنا اس کا مقصد ہے۔ اسی وجہ سے اسے وہ علم دیا جس سے فرشتے تک محروم ہیں۔ اسی سبب سے اس کے اندر خاص طور پر اپنی روح میں سے کچھ پھونکا اسی لئے اسے مسجود ملائکہ بنایا۔ علامہ راغب اصفہانی "مفردات" میں رقمطراز ہیں

واما لعجزه واما لتشريف المستخلف وعلى هذا الوجه
الاخير استخلف الله اولياءه فى الارض قال الله تعالى (هو الذى
جعلكم خلائف فى الارض) (المفردات ص ۱۵۶)

خلافت کسی کی نیابت (کا نام) ہے خواہ اس وجہ سے کہ جس کا نائب ہو وہ غیر موجود ہو یا اسکی موت واقع ہو چکی ہو۔ یا وہ (ادائیگی فرائض و واجبات) سے عاجز آچکا ہو یا جیسے خلیفہ بنانا مقصود ہو اسکی عزت افزائی کرنا اور اس کے شرف و عظمت کو ظاہر کرنا مطلوب ہو اور اس آخری وجہ کے باعث اللہ تعالے اپنے اولیاء کو خلافت ارضی سونپتا ہے جیساکہ فرمان ایزدی ہے (وہی تو ہے جس نے تمہیں زمین میں خلیفہ بنایا ...)

علاوہ ازیں پرویز صاحب کی یہ بات بھی کوئی وزنی بات نہیں ہے کہ "جو خود موجود ہو خلیفہ کیسا؟ جواز نیابت کی آخری صورت، خود اس کے بطلان پر شاہد عدل ہے لیکن اس سے قطع نظر، دیگر علماء بھی کسی کی معیت میں اس کی نیابت و خلافت کے قائل ہیں مثلاً یہی امام راغب، اپنی مفردات میں لکھتے ہیں

خلف فلان فلانا قام بالا مر عنه اما معه و امابعده

"فلاں شخص فلاں شخص کا خلیفہ ہو یعنی اس کی طرف سے کارپرداز ہوا خواہ اس کے ساتھ یا اس کے بعد" (ایضاً)

علامہ موصوف کی یہ عبارت واضح کر رہی ہے کہ نائب کی نیابت کے لئے۔ منوب عنہ کی عدم موجودگی ضروری نہیں ہے۔

پرویز صاحب کی غلط فہمی

اس موضوع پر پرویز صاحب کی ایک غلط فہمی یہ ہے کہ وہ خلیفہ کا معنیٰ صرف جانشین (SUCCESSOR) کرتے ہیں حالانکہ اس کا معنیٰ نائب (VICECERENT) بھی ہے چنانچہ (LANE) نے (ARABIC ENGLISH LEXICON) میں لفظ خلیفہ کے معنی جہاں (SUCCESSOR) کئے ہیں وہیں (VICEGERENT) بھی کئے ہیں۔ اب یہ بات اللہ ہی جانتا ہے کہ پرویز صاحب اپنی کس فکری مجبوری کی بناء پر خلیفہ کا ترجمہ

نائب کرنے کی بجائے "جا... شین" کرتے ہیں۔

جناب محمد مارماڈیوک پکھال (MUHAMMAD MARMADUKE PICKHALL) نے آیت (۲؎) کا ترجمہ کرتے ہوئے خلیفہ کے لئے (VICEROY) کا لفظ استعمال کیا ہے (SUCCESSOR) کے لفظ کو قبول نہیں کیا (THE GLORIOUS KORAN: P-۳۰)

(۳) قرآن مجید اور نبوت آدم

ملت اسلامیہ کا پورا لٹریچر اس امر پر شاہد ہے کہ ہر دور کے مفکرین، علماء، فقہا، مجتہدین، مفسرین اور محدثین نے حضرت آدم کو ہمیشہ اللہ تعالٰے کا برگزیدہ پیغمبر اور نبی تسلیم کیا ہے۔ خود قرآن بھی ان کا ذکر اس طرح کرتا ہے جس طرح وہ دیگر انبیاء کا ذکر کرتا ہے۔ مثلاً ایک مقام پر قرآن حضرت آدمؑ کا ذکر حضرت نوحؑ اور حضرت ابراہیمؑ کے ساتھ اس طرح کرتا ہے کہ ایک طرف تو ان کی منفرد شخصیت کا اثبات ہو جاتا ہے اور دوسری طرف ان کی نبوت بھی مبرہن ہو جاتی ہے۔ سورہ آل عمران میں ارشاد باری تعالٰے ہے۔

ان الله اصطفى ادم ونوحا وال ابراهيم وال عمران على العالمين (۳/۳۳)

"اللہ نے آدم نوح، آل ابراھیم اور ال عمران کو سارے جہانوں پر برگزیدہ فرمایا"

اس آیت کے متعلق جناب پرویز صاحب (جو نبوت آدم کے منکر ہیں) لکھتے ہیں

قرآن میں البتہ ایک مقام ایسا ہے جس میں آدم کا لفظ اس انداز سے آیا ہے جس سے مترشح ہوتا ہے کہ وہ کسی فرد کا نام ہے وہ آیت یہ ہے۔ ان اللہ اصطفیٰ آدم ونوحاً وآل ابراھیم وآل عمران علی العالمین (۳/۳۳) یقیناً اللہ نے آدم نوح اور آل ابراھیم اور ال عمران کو (ان کی ہم عصر اقوام پر فضیلت دی تھی .... یہاں آدم کا ذکر حضرت نوح کے ساتھ آیا ہے جس سے ذہن اس طرف منتقل ہوتا ہے کہ اس سے مفہوم کوئی خاص فرد ہے اور وہ حضرت نوح کی طرح نبی تھے ......"

(لغات القرآن ص ۲۱۵)

حقیقت یہ ہے کہ حضرت نوح اور آل ابراھیم کے ساتھ حضرت آدم کا مذکور ہونا۔ ان کے زمرۂ انبیاء میں شامل ہونے کا قطعی ثبوت ہے۔ لیکن پرویز صاحب ان کے زمرۂ انبیا میں مذکور ہونے کے امر سے صرف نظر کرتے ہوئے لفظ "اصطفاء" کی غیر ضروری بحث شروع کر دیتے ہیں۔

..... اگرچہ صفاء کا لفظ قرآن میں غیر نبی کے لئے بھی آیا ہے مثلاً حضرت مریم کے متعلق۔ دیکھئے (۳/۴۲) اور خود امت محمدیہ کے متعلق دیکھئے ۳۵/۳۲ ..... (ایضاً)

پھر اس غیر ضروری بحث کے بعد "نبوت آدم کی تردید میں کوئی قطعی اور ٹھوس دلیل پیش کرنے کی بجائے شخصیت آدم کے بارے میں شکوک وشبہات کے یہ کانٹے قاری کے ذہن میں ڈالتے جاتے ہیں کہ

"بہر حال جس آدم کا ذکر سورۃ آل عمران میں ہے وہ "جنت سے نکلنے والے آدم" سے مختلف تھے ہو سکتا ہے کہ وہ نبی ہوں ان کا نام آدم ہو۔ قرآن نے ان کا مزید تعارف نہیں کرایا۔ اس نے سلسلہ نبوت کا آغاز عام طور پر حضرت نوح کے ذکر ہی سے کیا ہے" (ایضاً) لغات القرآن ص ۲۱۵)

نبوت آدم کے خلاف پرویز صاحب کے استدلال کا خلاصہ یہ ہے کہ

۱۔ اگرچہ آدم کا ذکر انبیاء کرام کے ضمن میں ہوا مگر پھر بھی وہ نبی نہیں تھے کیونکہ قرآن میں لفظ اصطفاء غیر انبیاء کے لئے بھی مستعمل ہے۔

۲۔ جس آدم کا ذکر سورہ آل عمران میں وہ "جنت سے نکلنے والے آدم" سے مختلف تھے۔

پہلی دلیل پر بحث

جہاں تک پرویز صاحب کی اس دلیل کا تعلق ہے کہ لفظ اصطفاء سے آدم کی نبوت کا اثبات نہیں ہو سکتا کیونکہ یہ لفظ غیر انبیاء کے لئے بھی قرآن میں آیا ہے تو یہ "سوال "گندم جواب چنا" والی بات ہے۔ نبوت آدم کا اثبات کرنے والے یہ کب کہتے ہیں کہ اصطفاء کا لفظ صرف انبیاء کے لئے خاص ہے اس لئے آدم بھی اس لئے آدم بھی نبی ہیں" وہ تو یہ کہتے ہیں کہ " آیت (۳/۳۳) میں ان کا ذکر انبیاء کرام خصوصاً حضرت نوح کے ساتھ آیا ہے لہذا وہ بھی حضرت نوح ہی کی طرح ایک پیغمبر تھے" اس بات کا انکار تو پرویز صاحب

بھی نہیں کر پائے کہ ذہن اسی کی طرف منتقل ہوتا ہے، لہذا حضرت آدم، جو نوح علیہ السلام اور آل ابراہیم (جس سے مراد حضرت ابراہیم کی اولاد حضرت اسماعیلؑ اور حضرت اسحاقؑ ہیں) کے ساتھ مذکور ہیں، خود بھی نبی ہیں۔

مزید براں یہ بات بھی قابل غور ہے کہ جب قرآن نے "اصطفاء" انبیاء اور غیر انبیاء سب کے لئے استعمال کیا ہے تو یہ بات کسی قرینے ہی سے طے پا سکتی ہے کہ کہاں اس کا استعمال انبیاء کے لئے ہے اور کہاں غیر انبیاء کے لئے ہے۔ کیا یہاں قرآن نے حضرت آدم کا تذکرہ حضرات انبیاء کے ساتھ کر کے خود اس قرینے کو واضح نہیں کر دیا ہے کہ وہ (آدم) جماعت انبیا کے ایک فرد ہیں؟

دوسری دلیل پر بحث

باقی رہی یہ بات کہ جس آدم کا ذکر سورہ آل عمران میں ہے وہ "جنت سے نکلنے والے آدم" سے مختلف ہے — تو یہ سرے سے کوئی دلیل ہی نہیں ہے بلکہ مبنی بر ظن و گمان ایک ایسا دعویٰ ہے جو بجائے خود محتاج دلیل ہے۔ اس طرح سے ہوائی قیاسات سے نبوت آدم کا انکار کرنا بہت بڑی جسارت ہے۔

رہا یہ امر کہ آدم کا وجود' نوح علیہ السلام سے متقدم ہے اور "قرآن نے سلسلۂ نبوت کا آغاز عام طور پر حضرت نوح کے ذکر ہی سے کیا ہے" تو یہ امر باعث مغالطہ ثابت نہ ہوتا اگر پرویز صاحب کے ذہن میں نبوت آدم و نبوت نوح کا فرق مستحضر رہتا۔

حضرت آدم علیہ السلام کی نبوت ان کے اہل خانہ تک محدود تھی۔ انہیں اقوام عالم میں سے کسی قوم کی طرف مبعوث نہیں کیا گیا۔ لیکن حضرت نوح (اور دیگر انبیا کرام) کی نبوت محض ان کی اپنی آل اولاد تک ہی محدود نہ تھی وہ ایک پوری قوم کی طرف سے مبعوث کئے گئے تھے جن کی غالب اکثریت ان کی صلبی اولاد کی بجائے دیگر افراد پر مشتمل تھی اس لیے رسالت نوح کے لئے ارسلنا الیٰ نوحہ کے الفاظ جگہ جگہ استعمال کئے گئے ہیں۔ چونکہ حضرت آدم کو تبلیغ دین کے لئے کسی قوم، علاقہ یا نسل کی طرف بھیجا ہی نہیں گیا تھا وہ صرف اپنی آل اولاد تک فریضۂ رسالت کو محدود رکھتے تھے اس لئے ان کے بارے ارسلنا الیٰ قومہ کی تعبیر نہیں ملتی۔ حضرت آدم چونکہ

اوّل البشر تھے اور اس وقت انسانی نسل ، ان ہی کے ابناء و بنات اور احفاد و اسباط پر مشتمل تھی اس لئے انہی کے لئے نبی تھے۔ اس مخصوص صورت حال میں ان کیلئے اگر ارسلنا الیٰ قومہٖ کے الفاظ نہیں ملتے تو حضرت نوح کے سلسلہ میں وارد ہونے والے انہی الفاظ سے یہ استنتاج کرنا کہ (آدم نبی ہی نہیں تھے اور) قرآن نے سلسلہ رسالت کا آغاز عام طور پر حضرت نوح کے ذکر سے کیا ہے حقائق کی قطعی غلط تعبیر ہے۔ حضرت نوح کے بارے میں ارسلنا الیٰ قومہٖ کے الفاظ سے قرآن صرف یہ بتانا چاہتا ہے کہ وہ پہلے نبی تھے جنہیں کسی خاص قوم یا نسل کی طرف بھیجا گیا کیونکہ ان سے قبل آدم علیہ السلام تو صرف اپنی آل اولاد ہی کی حد تک نبی تھے۔

پرویز صاحب کی سب سے بڑی دلیل

نبوت آدم کے خلاف اب ہم جناب پرویز صاحب کی اس دلیل کا جائزہ لیتے ہیں جسے خود انہوں نے سب سے بڑی دلیل قرار دیا ہے وہ فرماتے ہیں کہ

> سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ قصۂ آدم میں کہا گیا ہے کہ خدا نے آدم کو بالتصریح ایک حکم دیا اور آدم نے اس سے معصیت برتی۔ اس قسم کی معصیت کسی نبی کا شیوہ نہیں ہو سکتا...... حضرات انبیا تو ایک طرف ، جیسا کہ بتایا جا چکا ہے ابلیس کے متعلق اللہ تعالےٰ کا ارشاد یہ ہے کہ ان عبادی لیس لک علیہم سلطان (۱۵/۴۲) "یقیناً میرے بندوں پر تجھے غلبہ حاصل نہیں ہوگا۔
> (مطالب الفرقان ج ۲ ص ۶۳)

یہاں دو امور قابل غور ہیں

اولاً یہ کہ آدم کی یہ معصیت تھی کس قسم کی۔ جس کے متعلق جناب پرویز صاحب فرمارہے ہیں کہ "اس قسم کی معصیت کسی نبی کا شیوہ نہیں ہو سکتی" حقیقت یہ ہے کہ آدم نہ تو معصیت کوش تھے اور نہ وہ نافرمانی رب کا کوئی ارادہ رکھتے تھے۔ بات صرف یہ ہوئی کہ

> وقاسمھما انی لکما لمن النّاصحین۔ شیطان نے قسمیں کھا کر کہا "جو کچھ میں کہہ رہا ہوں اس میں میرا اپنا کوئی فائدہ نہیں۔ میں یہ سب کچھ تمہاری خیر خواہی کے لئے کہہ رہا ہوں"
> (مفہوم القرآن آیت ۷/۲۱)

اور حضرت آدم جن کے حاشیہ خیال میں بھی یہ بات نہیں آسکتی تھی کہ کوئی فرد خدا کے نام کی قسم کھا کر بھی کسی کو دھوکہ دے سکتا ہے اپنی فطری سادگی کی بناء پر اس ذلت کا شکار ہوگئے۔ پھر یہ پہلا موقع تھا۔ اس سے قبل انہیں کبھی ایسی صورتحال کا سامنا نہ ہوا تھا کیا پیغمبر عالم الغیب ہوتے ہیں کہ کسی بدباطن کے دھوکہ میں نہ آئیں؟ کیا یہ واقعی اس قسم کی ذلت ہے جس سے انبیاء بالاتر ہوتے ہیں۔؟ حقیقت یہ ہے کہ ایسی ذلت انبیاء کرام کی عصمت کے منافی نہیں ہے۔

ثانیاً یہ کہ پرویز صاحب کا یہ استدلال کہ "شیطان نے آدم پر غلبہ پالیا جبکہ نبی تو ایک طرف رہا۔ وہ تو اللہ کے مخلص بندوں پر بھی حاوی نہیں ہو سکتا" جو نہایت لغو استدلال ہے جو غلبہ شیطان کی حقیقت سے بے بہرہ ہونے کا نتیجہ ہے۔

غلبۂ شیطان یا مسّ شیطان

غلبۂ شیطان کا اصل مفہوم یہ ہے کہ انسان اپنی زندگی کے جملہ امور میں نہیں تو اکثر و بیشتر امور میں شیطان کا پیرو بن جائے اور شیطان کو اس پر اس قدر قابو حاصل ہو جائے کہ وہ اسے راہ راست پر نہ رہنے دے۔ رہا کسی ایک آدھ معاملے میں شیطان کے وسوسے کا شکار ہو جانا تو اسے "غلبۂ شیطان" سے تعبیر کرنا سوئے تعبیر ہے۔ اسے زیادہ سے زیادہ "مس شیطان" کہا جا سکتا ہے چنانچہ قرآن خود "غلبۂ شیطان" اور "مس شیطان" کے مابین فرق کرتا ہے وہ اول الذکر کے متعلق تو یہ کہتا ہے کہ۔ إِنَّ عِبَادِي لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطَانٌ (۱۵/۴۲)

"یقیناً میرے بندوں پر تجھے غلبہ حاصل نہیں ہوگا۔ (مطالب القرآن ج ۲ ص ۹۳) لیکن۔ "مس شیطان کے متعلق خود قرآن یہ بیان کرتا ہے کہ اہل تقویٰ حضرات بھی بعض اوقات اس سے محفوظ نہیں ہو پاتے لیکن خدا کی یاد جب انکی آنکھیں کھول دیتی ہے تو انکی بصیرت میں جلا پیدا ہو جاتی ہے خود پرویز صاحب ایک مقام پر "غلبۂ شیطان" کی بجائے مس شیطان کو یوں واضح فرماتے ہیں۔

إِنَّ الَّذِينَ اتَّقَوْا إِذَا مَسَّهُمْ طَائِفٌ مِّنَ الشَّيْطَانِ تَذَكَّرُوا فَإِذَا هُم مُّبْصِرُونَ (۷/۲۰۱)

مؤمن وہ ہیں جو دانستہ سرکش جذبات (شیطان) کو اپنے اوپر غالب نہیں آنے دیتے لیکن اگر کبھی ایسا ہو کہ اس قسم کا خیال یونہی گھومتے

گھاتے اِن کے دل میں آجاتے تو وہ فوراً قوانینِ خداوندی کو اپنے سامنے لے آتے ہیں اس سے یک لخت اِن کی آنکھیں کھل جاتی ہیں اِن کی بصیرت میں جلا پیدا ہوجاتی ہے جس سے وہ پہچان لیتے ہیں کہ یہ ابلیسی فریب ہے اور اسے اپنے دامنِ نگاہ سے جھٹک کر الگ کر دیتے ہیں کیا کہ ایسے لوگوں کو متقی کہا جاتا ہے۔ (تفسیر مطالب الفرقان ج ا ص۷۷)

اب حضرت آدم کے معاملے کو لیجئے پوری زندگی میں وہ صرف ایک دفعہ ابلیس کے چکمہ میں آئے ہیں اور وہ بھی محض اس بناء پر کہ شیطان نے قسمیں کھا کھا کر انھیں اپنا خیر خواہ باور کرایا تھا (پھر اس بات کو بھی نظر انداز کیجئے کہ یہ واقعہ زمانہ قبل از نبوت کا تھا یا بعد از عطائے نبوت کا) جونہی انکی آنکھیں کھلیں اور وہ اپنی غلطی پر متنبہ ہوئے تو بارگاہ ایزدی میں ندامت کے ساتھ معافی کے خواستگار ہوتے۔ اس صورتحال پر "غلبہ شیطان" کا عنوان چسپاں کرنا۔ غیر مناسب الفاظ کا بڑا ہی بے رحمانہ استعمال ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ محض "مسِ شیطان" ہے جو انبیاء تک کو احیاناً لاحق ہوسکتا ہے۔ اس کی کئی صورتیں ہیں مثلاً یہ کہ شیطان سبب لنسیان بن جاتے یا یہ کہ وہ وسوسہ اندازی کرے۔ یا کسی برائی کے لئے اکساہٹ اور ترغیب پیدا کرے خود قرآنِ مجید میں انبیاءِ کرام کے ساتھ اس قسم کے "مس شیطان" کا ذکر موجود ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق ارشادِ ربانی ہے۔

(۱) "اور اگر تم شیطان کی طرف سے اکساہٹ محسوس کرو تو اللہ کی پناہ مانگ لو" (۷/۲۰۰)

(۲) "اور اے محمدؐ! جب تم دیکھو کہ لوگ ہماری آیات پر نکتہ چینیاں کر رہے ہیں تو اِن کے پاس سے ہٹ جاؤ۔ یہاں تک کہ وہ اس گفت گو کو چھوڑ کر دوسری باتوں میں لگ جائیں۔ اور اگر کبھی شیطان تمھیں بھلاوے میں ڈالدے تو جس وقت تمھیں اس غلطی کا احساس ہوجاتے۔ اس کے بعد پھر ایسے ظالم لوگوں کے پاس نہ بیٹھو۔ (۶/۶۸)

حضرت ایوب علیہ السلام کے متعلق تو قرآن نے صریح طور پر (مسّ شیطان) ہی کا لفظ ہی استعمال کیا ہے

"وَاذْكُرْ عَبْدَنَا أَيُّوبَ إِذْ نَادَىٰ رَبَّهُ أَنِّي مَسَّنِيَ الشَّيْطَانُ بِنُصْبٍ وَعَذَابٍ۔" (۳۸/۴۱) اور ہمارے بندے ایوب کا ذکر کرو جب اس نے اپنے

رب کو پکارا کہ مس شیطان سے میں سخت تکلیف اور عذاب میں ہوں"

بہرحال حضرت آدم سے اتفاقاً واقع ہو جانے والی ایک ذلت پر جس کے وقوع کا انھوں نے ارادہ تک نہیں کیا تھا) یہ کہنا کہ شیطان نے ان پر غلبہ پالیا تھا۔ حقیقت حال کی قطعی غلط ترجمانی ہے۔

نبوّتِ آدم اور عقل عام

یہ ایک قطعی حقیقت ہے کہ انسان محض اپنی عقل کے بل بوتے پر زندگی کے ٹیڑھے راستوں میں سے راہ راست۔ غلط افکار حیات میں سے فکر صحیح اور باطل طرق معاشرت میں سے حق طریقہ معاشرت نہیں پا سکتا۔ اس مقصد کے لئے وہ وحی کا محتاج ہے یہ ایک ایسا بدیہی امر ہے جس کا جناب پرویز صاحب نے خود جگہ جگہ اعتراف کیا ہے اور معارف القرآن جلد دوم میں "وحی" کے زیر عنوان انھوں نے بڑی تفصیل سے اس مضمون کو بیان کیا ہے۔

اب اگر آدم علیہ السلام کو (جو اول البشر) تھے خود خدا نے وحی کے ذریعہ سے انھیں صحیح ضابطۂ حیات مرحمت نہیں فرمایا تھا تو اس کا مطلب یہ ہے کہ خدا نے انھیں پیدا کر کے تاریکی میں چھوڑ دیا۔ فکر صحیح کی کوئی روشنی اسے عطا نہیں کی۔ اس کی جسمانی (یا حیوانی) زندگی کی ضروریات کا سرو سامان تو پیدا کر دیا مگر اس کی اس روحانی (بالفاظ دیگر، انسانی) زندگی کی ضرورت پورا کرنے کا کوئی بند و بست نہیں کیا جو اسے بطور انسان لاحق تھی۔ اسی دنیا میں معاشی کی راہ چلتے ہوتے آسمانی قندیلوں سے اس کی راہنمائی کی (وَ بالنجم هم يهتدون) (۱۶/۱۶) مگر معاد کی راہ واضح کرنے کے لیے اسے کوئی روشنی اور راہنمائی نہیں عطا کی۔ انسان کی مظلومیت اس سے بڑھ کر اور کیا ہو سکتی ہے کہ اس کا خالق اسے پیدا کر کے اس کی حیوانیت کی ضروریات کو پورا کرنے کا بند و بست تو کرے مگر اس کی انسانیت کی ضرورت کو پورا کرنے پر توجہ نہ فرمائے ؟ کیا خدا کے متعلق یہ بدگمانی کی جا سکتی ہے ؟

حقیقت یہ ہے کہ عقل عام یہ حکم لگاتی ہے کہ نوع البشر کے اس اوّلین فرد کو نور وحی سے سرفراز ہونا چاہیئے تاکہ وہ فکر صحیح کی روشنی میں عمل صالح کے راستہ پر چل کر دنیا و آخرت میں سرخرو ہو۔ کیونکہ انسان جب تک انسان ہے خدائی وحی کا محتاج ہے خواہ یہ وحی اسے براہ راست ملے یا کسی نبی کے توسط سے ملے۔

نبوتِ آدمؑ پر قرآنی دلیل

خدا کی رضا اور نارضا کن امور میں ہے؟ اس کے اوامر ونواہی کی تفصیل کیا ہے؟ اس کے ہاں سے لغزش کے معافی کیسے مل سکتی ہے؟ ان باتوں کو انسان اپنی عقل سے نہیں جان سکتا۔ صرف وحی ہی ایسے سوالات کا جواب دے سکتی ہے۔ قرآن بیان کرتا ہے کہ حضرت آدمؑ سے جب اسی لغزش کا صدور ہوا تو انھیں ندامت ہوئی مگر یہ نہ جان پائے کہ روٹھے ہوئے آقا کو کیسے راضی کیا جائے۔ رحمتِ ایزدی جوش میں آئی تو آدم کو وہ کلمات مل گئے جن سے انھوں نے اپنا گوہر مقصود پالیا فَتَلَقّٰى آدَمُ مِنْ رَّبِّهٖ كَلِمَاتٍ فَتَابَ عَلَيْهِ اِنَّهٗ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ۔ (۲/۳۷) "تب آدم نے اپنے رب سے چند کلمات پالئے اور توبہ کی جسے اس کے رب نے قبول فرمالیا وہ بڑا معاف کرنے والا اور رحم فرمانے والا ہے" ــــ ان "کلمات" سے کیا مراد ہے؟ جناب پرویز صاحب بڑی تفصیلی بحث کے بعد نتیجہ یوں ظاہر فرماتے ہیں۔

"کلمات سے مراد وہ قوانین خداوندی ہیں جو وحی کی رو سے عطا کیے گئے ہوں"۔ (تفسیر مطالب القرآن ج ۲ ص ۱۳۲)

اب اگر آدمؑ نے خدا کی طرف سے یہ کلمات (قوانین خداوندی) وحی کی صورت میں حاصل کر لئے ہیں۔ تو پھر انکی نبوت میں کیا شک رہ جاتا ہے؟ حقیقت یہ ہے کہ جناب پرویز صاحب کی طرف سے آیت کی یہ تفسیر وتوضیح نبوت آدم کو ہر شک وشبہ سے بالاتر کر دیتی ہے اس کے بعد نبوت آدم کا انکار کرنا۔ قرآن کے نام پر خواہشاتِ نفس کی پیروی کرنا ہے اعاذنا اللہ من ذالک۔ وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ۔

خط وکتابت کرتے وقت خریداری نمبر کا حوالہ ضرور دیں (ادارہ)